# تفسیر مفاتیح الغیب میں واقعہ تعبیس سے متعلق اشکالات

# Doubts about the incident of frowning in *tafsīr Mafātīḥ al Ghayb* [The Keys to the unknown]

سیف اللہ الازہری*


## Abstract

*Abu'l-Faḍl Muḥammad b. 'Umar, known as Fakhr al-Dīn al-Rāzi was born in Rayy/Ray/Rey in northern Persia in 543/1149 to a family originating from Ṭabaristan. Al-Rāzi enjoys a celebrated position amongst the galaxy of scholars and is considered a master of all sciences of his time.[1] His tafsīr work Mafātīḥ al Ghayb (The Keys to the unknown) is considered an encyclopedia in the field of Islamic studies generally and in the field of tafsīr particularly. One of the main distinctiveness of his tafsīr is playing of a major role in the attack against the rationalists in the 5th/11th century. The flavor of debating over theological issues, common in his time is dominant in his exegetical methodology by defending Ash'arite thought against Mu'tazilites, Zahirites and Ḥashawiyyah among others.*

*Fakhr al-Dīn al-Rāzi is also called Imām al- Mushakkikīn [the Imam of Doubters]. He was given this title because he criticized and doubted so many views of earlier philosophers and even of theologians. His methodology in tafsīr is unique as he arises very challenging questions about the verses of Qurān. The same is the case with the incident of the Prophet's frowning where Imām Rāzi doubted and questioned many points, but he provided very rock-solid answers to that questions.*


**Key words**: *The present article discusses doubts about the incident of frowning in the light of tafsīr Mafātīḥ al Ghayb [The Keys to the unknown]*

امام رازیؒ کا پورا نام محمد بن عمر بن الحسین ہے، ابو الفضل آپ کی کنیت جبکہ فخر الدین آپ کا لقب ہے، آپ پچیس رمضان 544ھ کو ایران کے شہر ''رے'' میں پیدا ہوئے[2]، اسی شہر کی نسبت کی وجہ سے آپ کو رازی کہا جاتا ہے اور اسی اسم منسوب کی وجہ سے آپ کو شہرت ملی چنانچہ زبان زدِ عام آپ امام رازی کے نام سے جانے جاتے ہیں ۔ چونکہ آپ تنقیدی فکر [Critical Thinking] کے مالک تھے اس وجہ سے آپ إمام المشككين کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ امام رازیؒ اپنی تفسیر میں منکرینِ اسلام اور زمین و آسمان اور ان جیسی عظیم تخلیقات کے منکرین کے اعتراضات اور شکوک کا عقلی دلائل اور حکمت و فلسفہ کی روشنی میں مکمل جواب ذکر کرتے ہیں. جس سے ان کے اعتراضات اور شبہات و شکوک کافور ہو جاتے ہیں.

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں سوال وجواب کا ایک نرالا منہج اپنایا ہے چونکہ آپ آیت سے متعلق سوالات اور شکوک و شبہات کو کثرت سے ذکر کرتے ہیں، لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ اکثر و بیشتر وہ ان سوالات اور اشکالات کے تسلی بخش جوابات دیتے ہیں۔ اس طرح

* پی ایچ۔ڈی اسکالر، الازہر یونیورسٹی، مصر

کے سوالات اور اشکالات کو آپ عموماً "مسائل" کا عنوان دیتے ہیں۔ یہی جھلک واقعہ تعبیس میں نمایاں نظر آتی ہے کیونکہ اس میں امام رازیؒ نے بہت سے دقیق اشکالات اور سوالات کئے ہیں اور ان کے نہایت تسلی بخش جوابات دیئے ہیں۔ مشت نمونہ از خروارے تفسیر کبیر سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ اللہ کا قول عَبَسَ وَتَوَلَّى ■ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ترجمہ: (رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا۔

آیت میں دو مسئلے ہیں: پہلا مسئلہ: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عبداللہ بن ام مکتوم [3] رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور آپ کے پاس قریش کے سردار عتبہ [4]، اور شیبہ [5] ابنا ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، عباس بن المطلب، امیہ بن خلف [6]، اور ولید بن مغیرہ [7] موجود تھے، ان کو آپ اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اس امید میں کہ ان کے اسلام لانے سے ان کے علاوہ اور بھی لوگ اسلام قبول کریں گے، تو عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: مجھے اس میں سے پڑھایئے اور سکھایئے جو اللہ نے آپ کو سکھلایا ہے، اور بار بار یہی عرض کیا، تو آپ ﷺ کو ان کا بیچ میں کلام کو کاٹنا ناگوار گزرا، اور چیں بجبیں ہوئے، اور ان سے منہ پھیر لیا، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی [8]، رسول اللہ ﷺ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے، جب ان کو دیکھتے تو کہتے: خوش آمدید اس شخص کہ جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ کو عتاب فرمایا، اور آپ پوچھتے کوئی ضرورت ہے؟ ان کو دو مرتبہ مدینہ کا خلیفہ بنایا، اس مقام میں چند سوالات ہیں: پہلا سوال یہ ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تادیب اور زجر کے مستحق تھے، تو پھر کیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس بات پر عتاب فرمایا کہ آپ ﷺ نے ان کو ادب سکھایا اور ڈانٹا؟ ہم نے کہا کہ وہ تادیب کے مستحق تھے اس کی چند وجوہات ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ اپنی نگاہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو دیکھ نہیں سکتے تھے لیکن اپنی سماعت صحیح ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے ان کفار سے مخاطب ہونے کو سن رہے تھے، اور ان کی آوازوں کو بھی سن رہے تھے، ان کلمات کو سننے کے ذریعے نبی کریم ﷺ کی ان کے معاملے بے حد دلچسپی کو سمجھ رہے تھے، توان کا نبی کریم ﷺ کی بات کو کاٹنے پر اقدام کرنا، اور نبی کریم ﷺ کا مقصد پورا ہونے سے پہلے اپنی ضرورت درمیان میں پیش کرنا نبی کریم ﷺ کو تکلیف دینا ہے، اور یہ بہت بڑی معصیت ہے.
دوسری وجہ: یہ ہے أَنَّ الْأَهَمَّ مُقَدَّمٌ عَلَى الْمُهِمِّ کہ زیادہ اہم اہم پر مقدم ہوتا ہے، اور عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے اور دین کے وہ امور سیکھ لیے تھے جس کی ان کو ضرورت تھی، اور رہے وہ کفار تو وہ تو اسلام ہی نہیں لائے تھے، اور ان کا اسلام قبول کرنا بہت بڑی جماعت کے اسلام قبول کرنے کا سبب ہوتا، تو عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا چھوٹی سی غرض کے لیے درمیان میں اس بات کو پیش کرنا اس خیر عظیم کو ختم کرنے کے سبب کے مرادف ہوا، اور یہ حرام ہے۔ تیسری وجہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴾ [9] ترجمہ: (اے رسول!) بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو محض ندا دینے سے منع کیا، ہاں نماز کے وقت اجازت دی، تو یہاں پر یہ ندا جو کفار کو ایمان قبول کرنے سے پھیرنے والی چیز اور رسول اللہ ﷺ پر ان کے اہم مقصد کو روکنے والی چیز کی طرح ہوئی بطریق اولیٰ گناہ اور معصیت ہو گی، تو اس سے ثابت ہوا کہ جو عبداللہ بن ام مکتوم نے کیا وہ گناہ اور معصیت تھا، اور جو رسول اللہ ﷺ نے کیا وہ واجب اور ضروری تھا، اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فعل پر عتاب فرمایا؟

دوسرا سوال: کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو محض اس پر عتاب فرمایا کہ آپ چیں بجبیں (یعنی چہرے پر سلوٹیں ڈال لی تھیں) ہوئے تھے تو یہ عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اللہ سبحانہ کی طرف سے بے انتہا تعظیم ہے، جب ایسا ہے تو اس تعظیم کے یہ کیسے مناسب ہے کہ ان کو اعمیٰ کے نام سے ذکر کیا جب کہ انسان کو اس وصف سے ذکر کرنا اس کی بے انتہا تحقیر کا مقتضی ہے؟

تیسرا سوال: یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اپنے صحابہ کے ساتھ حسب مصلحت معاملہ کریں، اور نبی کریم ﷺ بکثرت اپنے صحابہ کو ادب سکھایا کرتے تھے اور ان کو بہت سی چیزوں سے روکتے تھے، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ ﷺ اسی لیے مبعوث ہوئے تھے کہ ان کو ادب سکھائیں اور ان کو محاسن آداب سکھائیں، جب ایسا ہے تو وہ چیں بہ جبیں ہونا اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو اپنے صحابہ کی تادیب میں اجازت کے اندر داخل ہو گا، جب آپ ﷺ کو اس کی اجازت تھی تو اس پر عتاب کیوں کر ہوا؟ مذکورہ بحث چند اشکالات کا خلاصہ تھا۔

پہلے سوال کا دو جواب ہے: پہلا جواب: یہ ہے کہ اگرچہ بات وہی ہے جو آپ نے ذکر کی لیکن ظاہر واقعہ اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرنے اور فقراء کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے کا وہم دلاتا ہے اسی لیے عتاب ہوا، اس کی نظیر اللہ کا قول: " وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ "[10] ترجمہ: اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں در آں حالیکہ وہ اسی کی رضاجوئی کرتے ہیں ' دوسرا جواب: یہ ہے کہ شاید یہ عتاب اس ظاہری فعل پر نہیں ہوا جو آپ ﷺ سے صادر ہوا، بلکہ اس فعل کی وجہ سے ہوا جو آپ کے دل میں پیدا ہوا، اور وہ یہ کہ ان کفار کی رشتہ داری، شرافت اور عہدے کی بلندی کی وجہ سے آپ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا تھا، اور عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے نابینا ہونے، رشتہ دار نہ ہونے اور کم شرافت کی وجہ سے ان سے آپ کی طبیعت متنفر ہو گئی تھی، تو جب اس داعیہ کی بنا پر تعبیس اور اعراض پایا گیا تو عتاب نازل ہوا، نہ کہ تادیب پر بلکہ اس داعیہ کی وجہ سے تادیب پر عتاب ہوا.

دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ ان کو اعمیٰ کے لفظ سے ذکر کرنا ان کی شان کی حقارت کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ گویا یہ کہا گیا ہے: کہ وہ نابینا ہونے کی وجہ سے مزید نرمی اور رحمت کے مستحق ہیں، تو اے محمد ﷺ کیسے آپ کے مناسب ہو گا کہ ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں؟.

تیسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے صحابہ کی تادیب کی اجازت تھی، لیکن جب یہاں پر اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرنے کا وہم ہوا اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جو دنیا کو دین پر ترجیح دینے کا وہم پیدا کرتا ہے، اسی وجہ سے یہ عتاب آیا۔

دوسرا مسئلہ: انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ کے صادر ہونے کے قائلین نے اس آیت سے استدلال کیا اور کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جب آپ ﷺ کو اس فعل پر عتاب فرمایا تو اس سے پتہ چلا کہ وہ فعل معصیت تھا، اور یہ بعید ہے، اس لیے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ واجب متعین تھا صرف اس ایک اعتبار سے نہیں تھا کہ اس سے اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرنے کا وہم پیدا ہو رہا تھا، اور یہ نبی کریم ﷺ کی پختگی کے مناسب نہیں ہے، جب ایسا ہے تو وہ عتاب احتیاط اور افضل کو ترک کرنے کے قائم مقام ہو گا، تو وہ یقیناً گناہ نہیں ہو گا.

تیسرا مسئلہ: مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیرا وہ نبی کریم ﷺ ہی ہیں، اور اس بات پر بھی

متفق ہیں کہ نابینا شخص عبداللہ بن ام مکتوم ہی ہیں، اور "عبس" مبالغہ کے لیے تشدید کے ساتھ پڑھا گیا، اسی کے مثل کَلَّحَ فی/ کَلَحَ میں ہے (تیوری چڑھا ہوا ہونا، شکن آلود چہرے والا ہونا) "أَنْ جَاءَهُ "تولی " یا" عَبَسَ "کی وجہ سے منصوب ہے، اُقرب یا ابعد کو عمل دلانے میں دو مذہبوں کے اختلاف کے اعتبار سے، اور اس کا معنی یہ ہو گا "عَبَسَ ، لِأَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى "(وہ اس لیے چیں بہ جبیں ہوئے کہ ان کے پاس نابینا آئے اور اسی وجہ سے منہ پھیر لیا،) اور

"أَنْ جَاءَهُ "دو ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان الف کے ذریعے " عَبَسَ وَتَوَلَّى "پر وقف کیا، پھر نئے معنی کے ساتھ ابتدا کیا

أَلِأَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى، اس سے مراد اس پر انکار کرنا ہے، اس چیز کی خبر دینے میں جو رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوئی پھر ان کو مخاطب کرنا یہ زیادتی انکار کی دلیل ہے، جیسے وہ شخص جو لوگوں سے کسی مجرم کی شکایت کرے کہ اس نے اس پر کوئی جرم کیا ہے، پھر جب شکایت لگالے تو خود ڈانٹتے ہوئے اور الزام حجت کرتے ہوئے مجرم کے پاس آئے.

اللہ کا قول: ﴿ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى ▪ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَى ﴾[11] ترجمہ: آپ کو کیا پتہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا ہے یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت نفع دیتی۔ اس میں دو قول ہیں: پہلا قول: کون سی چیز آپ کو اس نابینا کے حال سے واقف کراتی ہے؟ شاید یہ نابینا آپ کی تعلیم کے ذریعے جہل یا گناہ سے بچ جائے، یا نصیحت قبول کرے تو اس کو آپ کی نصیحت فائدہ پہنچائے، تو وہ اس کے لیے بعض طاعات میں لطف ہو جائے، خلاصہ یہ کہ جو علم وہ آپ سے حاصل کرتا شاید اس کو بعض نامناسب چیزوں سے روک دے، اور وہ جہل اور گناہ ہے، یا اس کو بعض مناسب چیزوں جیسے طاعت میں مشغول کر دے. دوسرا قول: یہ ہے کہ " لَعَلَّهُ "کی ضمیر کافر کی طرف لوٹ رہی ہے، اس معنی میں کہ آپ نے چاہا کہ کافر اسلام کے ذریعے پاک ہو جائے یا نصیحت حاصل کرے اور نصیحت اس کو حق کے قبول کرنے کے قریب کر دے، "وَمَا يُدْرِيكَ "آپ کو کیا معلوم کہ جو آپ اس کے اندر چاہ رہے ہیں وہ ہو ہی جائے گا؟" فَتَنْفَعُهُ "رفع کے ساتھ "ی يَذَّكَّرُ "پر عطف کر کے پڑھا گیا ہے، اور "لعل "کے جواب کے طور پر نصب کے ساتھ پڑھا گیا.

پھر فرمایا: ﴿ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَى ﴾ ترجمہ: جس نے بے پرواہی کی۔ "عطاء کہتے ہیں مراد ہے ایمان سے جو پہلو تہی کرے[12]، کلبی کہتے ہیں: اسْتَغْنَى عَنِ اللَّهِ [اللہ سے روگردانی کرے][13] بعض لوگ کہتے ہیں: اسْتَغْنَى أَثْرَى (یعنی جو مال دار ہیں) یہ یہاں غلط ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا متوجہ ہونا ان کی مالداری اور مال کی وجہ سے نہیں تھا، کہ کہا جائے أَمَّا مَنْ أَثْرَى، فَأَنْتَ تُقْبِلُ عَلَيْهِ "(جو لوگ مال دار تھے آپ ان کی طرف توجہ کر رہے تھے) اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ﴿ وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى ▪ وَهُوَ يَخْشَى ﴾[14] ترجمہ: اور رہا وہ جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے "اور یہ نہیں کہا وھو فقیر عدیم "(وہ فقیر اور عدیم البصر ہے). اور جنہوں نے کہا" أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَى بِمَالِهِ "تو وہ صحیح ہے، اس لیے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مال کی وجہ سے ایمان اور قرآن سے پہلو تہی کر رہا ہے.

اللہ کا قول: ﴿فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى﴾ ترجمہ: تو آپ اس کے درپے ہیں۔ "زجاج کہتے ہیں : یعنی آپ ان کے پاس آتے ہیں ان کی باتوں کے درپے ہوتے ہیں اور ان کی طرف مائل ہوتے ہیں، [15] کہا جاتا ہے "تَصَدَّى فُلَانٌ لفُلَان، يَتَصَدَّى إِذَا تَعَرَّضَ لَهُ " یعنی کسی کی بات سننے کے لیے اس کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہونا، درپے ہونا[16]، اصل اس میں تَصَدَّدَ يَتَصَدَّى: الصَّدد سے مأخوذ ہے، وہ جو تمہارا استقبال کرے اور تمہارے سامنے آئے، ہم نے اسی کے مثل اللہ کے قول: ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ﴾[17]

ترجمہ: اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ یہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے "تَصَّدَّى" تشدید کے ساتھ تاء کے صاد میں ادغام کے ساتھ پڑھا گیا ہے، أبو جعفر [18] نے "تصدّى" تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تعرض [19]، اس کا معنی ہے آپ کو بلانے والا اس کے لیے دلچسپی کے ساتھ متوجہ ہونے اور درپے ہونے اور اس کے اسلام پر ٹوٹ پڑنے کی طرف بلا رہا ہے. پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں : ﴿وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّى﴾ مطلب یہ ہے کہ آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے اس پر کہ جن کو آپ اسلام کی طرف بلا رہے ہیں وہ اسلام قبول نہ کریں، اس لیے کہ آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے، یعنی ان کے اسلام قبول کرنے کی حرص آپ کو یہاں تک نہ پہنچائے کہ آپ ان کو دعوت دینے میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان لوگوں سے اعراض کریں جو اسلام لا چکے ہیں.

پھر فرمایا : ﴿وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى﴾ جو آپ کے پاس آئے اس بات میں سعی کرتے ہوئے کہ خیر کو طلب کرنے میں جلدی کر سکے، جیسے اللہ کا قول: ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ---﴾[20] ترجمہ: تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو.

اللہ کا قول: ﴿وَهُوَ يَخْشَى﴾ اس میں تین توجیہات ہیں: ایک يَخْشَى اللَّهَ وَيَخَافُهُ فِي أَنْ لَا يَهْتَمَّ بِأَدَاءِ تَكَالِيفِه (یعنی وہ اللہ سے خوف رکھتا ہے اور ڈرتا ہے اس بات میں کہ وہ اس کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں دل چسپی نہ لے) دوسری یہ کہ کفار اور آپ کے ان کے پاس آنے میں ان کی ایذا سے ڈرتا ہو، تیسری یہ کہ وہ ٹھوکر سے ڈر رہا ہے اس لیے کہ وہ نابینا تھا اور ان کے لیے کوئی رہبر نہیں تھا. پھر فرمایا : ﴿فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى﴾ یعنی آپ اس سے غافل ہو جاتے ہیں، لَهِيَ عَنِ الشَّيْءِ وَالْتَهَى وَتَلَهَّى "طلحہ بن مصرّف [21] نے " تَتَلَهَّى "پڑھا ہے، اور ابو جعفر نے "تَلَهَّى" یعنی آپ کو سرداروں کا معاملہ غافل کر دیتا ہے، اگر کہا جائے: اللہ کا قول: "فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى ... فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى" اس میں اختصاص ہے ہم کہیں گے کہ ہاں اس کا معنی کفار کے درپے ہونے اور نابینا سے غافل ہونے کا انکار کرنا ہے، یعنی آپ جیسے کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ غنی کی بات کی طرف متوجہ ہوں اور فقیر سے غفلت برتیں.

پھر فرمایا : كَلَّا یہ معاتب علیہ کو اور اس جیسا دوبارہ کرنے سے روکنا ہے، حسن کہتے ہیں جب جبرئیل علیہ السلام نے یہ آیات نبی کریم ﷺ کے پاس تلاوت کیں تو آپ کا چہرہ گویا بدل گیا تھا، انتظار کر رہے تھے کہ اللہ کیا حکم صادر فرماتے ہیں؟ جب اللہ نے کہا" كَلَّا "تو آپ سے یہ کیفیت جاتی رہی، یعنی آپ ایسا نہ کریں، ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ ترک اولیٰ پر محمول ہے.

پھر فرمایا : ﴿إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ﴾ ترجمہ: یہ نصیحت ہے۔ اس میں دو سوال ہیں: پہلا سوال: اللہ کا قول: إِنَّهَا میں مؤنث کی ضمیر ہے اور اللہ کے قول: ﴿فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ﴾ میں مذکر کی ضمیر ہے، جب کہ دونوں ضمیریں ایک ہی چیز کی طرف لوٹ رہی ہیں؟ کیسے

یہ کہ دیا؟ جواب: اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ کا قول: "إنها" میں مؤنث کی ضمیر سے بقول مقاتل آیات قرآنی مراد ہیں، اور کلبی[22] کہتے ہیں: یہ سورہ مراد ہے[23]، یہی اخفش[24] کا قول ہے[25]، اور اللہ کے قول: فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ کی ضمیر مذکر تذکرہ کی طرف لوٹ رہی ہے؛ اس لیے کہ تذکرۃ ذکر اور وعظ کے معنی میں ہے۔ دوسری صورت: صاحب نظم کہتے ہیں: إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ یعنی اس سے قرآن مراد ہے، اور قرآن مذکر ہے مگر یہ کہ جب قرآن کو نصیحت بنایا گیا تو اس کو تذکرۃ کے لفظ پر نکالا، اور اگر اس کو مذکر ذکر کرتے تب بھی جائز تھا، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿كَلَّا إِنَّه تَذْكِرَةٌ﴾ المدثر: اور اس بات پر دلیل کہ اللہ کے قول: إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ سے مراد قرآن ہے اللہ کا یہ قول ہے: ﴿ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴾ ترجمہ: سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

دوسرا سوال: اس آیت کا پہلی آیات سے کیسے تعلق ہے؟ جواب: اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت: گویا یہ کہا گیا: یہ تادیب جس کی میں نے آپ کے پاس وحی بھیجی اور آپ کو فقراء کی تعظیم اور اہل دنیا کی طرف متوجہ نہ ہونے کے سلسلے میں اس کے متعلق میں نے بتایا ہے، لوح محفوظ میں وہ ثابت کیا گیا ہے جس کی حفاظت پر بڑے بڑے فرشتے مقرر ہیں۔ دوسری صورت: گویا یہ کہا گیا: یہ قرآن عظمت میں اس بڑی حد تک پہنچا ہے، تو اس کو کیا ضرورت کہ اس کو یہ کفار قبول کریں، چاہے وہ قبول کریں یا قبول نہ کریں آپ ان کی طرف متوجہ مت ہوئیے، اور اپنے دل کو ان میں مشغول مت کریے، اور اس بات سے بچیے کہ آپ اہل دنیا کی کے دل کو خوش کرنے کے لیے ان لوگوں سے اعراض کریں جو اس پر ایمان لا چکے ہیں۔

مذکورہ بحث سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جب امام رازیؒ نے خطبہ اور سورہ فاتحہ لکھنے کے بعد ایک بات ذکر کی جس کا خلاصہ مؤلف کی زبانی یہ ہے: میری زبان پر کبھی کبھی یہ خیال آتا کہ اس بابرکت سورت کے فوائد اور نکات کے ذریعے 10 ہزار مسائل کا استنباط کیا جا سکتا ہے؟ یہ ایک دعوی ہے اور نہ چاہتے ہوئے خود ہی جواب دیتا اور ذکر کرتا، تو بعض حاسدین اس کو بعید سمجھتے اور بعض جاہل، غبی اور ضدی لوگ اس کا انکار کرتے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ جب میں نے اس کتاب (تفسیر کبیر) کی تالیف کا آغاز کیا تو ایک مقدمہ لکھا تاکہ اس بات پر تنبیہ کی جا سکے ہم نے جو بات کہی ہے وہ ایسا امر ہے جس کا حاصل ہونا ممکن ہے اور اس تک پہنچنا آسان ہے، لہذا اللہ کی توفیق طلب کرتے ہوئے عرض ہے کہ...... إلخ پھر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تین سو صفحات پر مشتمل پوری ایک جلد سورہ فاتحہ کے متعلق لکھ ڈالی، اور اس کے ذریعے اپنے دعوی کے صحیح ہونے کو ثابت کیا جس کی واضح جھلک واقعہ تعبیس میں بھی نمایاں ہے۔

**حواشی و مراجع:**

[1] Ibn Khallikān in his *Wafayāt al-A'yān* writes that Imam Razi was the greatest authority on the Greek sciences in his time. The best sources for the biography of Razi are Ibn Abi Uṣaybi'ah, *'Uyūn al Anbā'*, Ibn al-Qifṭi, *Tārīkh al-Ḥukamā'*, Ibn Khallikān, *Kitāb Wafayāt al-A'yān*, Shams al-Din Shahrazuri, *Nuzhat al-Arwāh wa Rauḍat al-Afrāḥ*, and Ibn Taqi al-Din al-Subki, *Ṭabaqāt al-Shāfi'iyyat al-Kubrā*.

[2] ابن خلکان (681ھ)، وفیات الأعیان وأنباء أبناء الزمان، 4:248، دار صادر—بیروت، 1971

[3] آپ کا پورا نام عمرو بن قیس بن زائدہ ہے، غزوہ بدر کے بعد آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ مدینہ میں بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ بھی اذان دیتے تھے، بعد میں مسجد نبوی میں امامت بھی کرتے تھے، 23ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔ ابن عبد البر (المتوفى: 463ھ) الاستيعاب في معرفة الأصحاب 1198:3 تحقيق: علي محمد البجاوي، ناشر: دار الجيل، بیروت 1992

[4] آپ کا پورا نام عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس ہے، ابوالولید آپ کی کنیت ہے، قریش کے بہت بڑے سردار تھے، 2 ہجری کو انتقال کر گئے۔ أبو جعفر البغدادي (المتوفى: 245ھ) المحبر 175:1 تحقيق: إيلزة ليختن شتيتر، ناشر: دار الآفاق الجديدة، بیروت

[5] نفس المصدر: 162:1

[6] آپ کا پورا نام امیہ بن خلف بن وہب ہے قبیلہ بنو لوئی سے آپ کا تعلق تھا، قریش کے بہت بڑے سردار تھے، بلال رضی اللہ عنہ کو کافی اذیت دیتے تھے، 2ھ کو انتقال کر گئے۔

الزركلي (المتوفى: 1396ھ) الأعلام 22:2 الناشر: دار العلم للملايين بیروت 2002

[7] آپ کا پورا نام الولید بن المغیرہ بن عبد اللہ ہے ہے ابو عبد شمس آپ کی کنیت ہے ہے ہے دور جاہلیت میں میں بہت بڑے قاضی تھے، 95 قبل الھجرہ میں پیدا ہوئے جبکہ 1ھ میں فوت ہوئے۔ ابن الأثير (المتوفى: 630ھ) الكامل في التاريخ 669:1، تحقيق: عمر عبد السلام تدمري، الناشر: دار الكتاب العربي، بیروت — لبنان، الطبعة: الأولى، 1417ھ/1997م

[8] واحدي (المتوفى: 468ھ) أسباب نزول القرآن 472:1، 471، المحقق: كمال بسيوني زغلول، الناشر: دار الكتب العلمية — بیروت، الطبعة: الأولى، 1411ھ

[9] الحجرات: 4

[10] الأنعام: 52

[11] عبس: 3-4

[12] الواحدي (المتوفى: 468ھ) التَّفْسِيرُ البَسِيْط 213:23، الناشر: عمادة البحث العلمي - جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية. الطبعة: الأولى، 1430ھ

[13] نفس المصدر

[14] عبس: 8-9

[15] أبو إسحاق الزجاج (المتوفى: 311ھ) معاني القرآن وإعرابه 5: 283، المحقق: عبد الجليل عبده شلبي، الناشر: عالم الكتب — بیروت، الطبعة: الأولى 1408ھ - 1988م

[16] الأزهري (المتوفى: 370ھ) تهذيب اللغة، [مادة: صد] ناشر: دار إحياء التراث العربي - بیروت 2001

[17] الأنفال: 35

[18] آپ کا پورا نام یزید بن القعقاع ہے، ابو جعفر آپ کی کنیت ہے، جلیل القدر تابعی تھے، مدینہ منورہ میں بڑے مجتہدین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ 132ھ کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ ابن الجزري (المتوفى: 833ھ) غاية النهاية في طبقات القراء 2 : 382، ناشر: مكتبة ابن تيمية

[19] ابن مجاهد (المتوفى: 324ھ) كتاب السبعة في القراءات ص: 672، المحقق: شوقي ضيف، الناشر: دار المعارف — مصر، الطبعة: الثانية، 1400ھ

[20] الجمعة: 9

[21] آپ کا پورا نام طلحۃ بن مصرف بن کعب ہے ابو محمد آپ کی کنیت ہے، سید القراء آپ کا لقب ہے، 112ھ کو کوفہ میں فوت ہوئے۔ ابن حجر العسقلاني (المتوفی: 852ھ) تھذیب التھذیب 5:25، ناشر: مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، انڈیا

[22] آپ کا پورا نام محمد بن السائب بن بشر الکلبی ہے، کوفہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پر 146ھ کو فوت ہوئے، تفسیر کے بہت بڑے عالم تھے، "تفسیر القرآن" کے نام سے تفسیر بھی لکھی. ابن حجر العسقلاني (المتوفی: 852ھ) تہذیب التہذیب 9: 178 - 179، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، انڈیا

[23] الماوردي (المتوفى: 450ھ) تفسیر الماوردي = النكت والعيون 6:203، المحقق: السيد ابن عبد المقصود بن عبد الرحيم، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت

[24] آپ کا پورا نام سعید بن مسعدۃ ہے، ابو الحسن آپ کی کنیت ہے لیکن شہرت آپ کو اخفش کے نام سے ملی،، آپ لغت اور ادب کے بہت بڑے امام تھے، بلخ میں پیدا ہوئے جبکہ بصرہ میں سکونت اختیار کی، سیبویہ سے آپ نے علوم عربیہ کی تعلیم حاصل کی، کئی بیش قیمت کتابیں لکھیں جن میں تفسیر معانی القرآن، شرح ابیات المعانی، الاشتیاق اور معانی الشعر قابل ذکر ہیں جمال الدین القفطي (المتوفی: 646ھ) إنباه الرواة على أنباه النحاة 2:36، ناشر: دار الفكر العربي - القاهرة، ومؤسسة الكتب الثقافية — بيروت 1982

[25] الواحدی (468ھ) التَّفْسِيرُ البَسِيْط 205:23